ڈاکٹر محمد دین تاثیر بطور اقبال شناس

ڈاکٹر ریاض قدیر

خلاصہ

ڈاکٹر محمد دین تاثیر بیسویں صدی کے اردو ادب کی تاریخ میں ایک نمایاں نام ہے۔ وہ خوش گو شاعر، صاحب طرز ادیب اور معتبر نقاد تھے۔ ان کے ایک سو سے زاید مضامین میں سے تیس مضامین اقبال کی شخصیت اور شاعری سے متعلق ہیں۔ تاثیر کو علامہ سے ملاقاتوں کے علاوہ ان کے قریب رہ کر بھی کام کرنے کا موقع ملا۔ جس سے وہ علامہ کی شخصیت، ذاتی زندگی، فن اور فکر سے آشنا ہوئے۔ اقبال پر تاثیر کے مضامین کا امتیازی وصف ذاتی ملاقاتوں کے حوالے سے اقبال کی شخصیت، فکر اور شاعری کے مختلف پہلوؤں کی تفہیم ہے۔ تاثیر نے اقبال پر لکھے گئے اپنے مضامین میں اقبال کی شاعرانہ فکر کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ انھوں نے ہی اقبال کے لیے سب سے پہلے شاعر فلسفی کی اصطلاح استعمال کی۔ تاثیر اقبال کو ایک اسلامی شاعر قرار دیتے ہیں جس کے افکار کی اساس قرآنی تعلیمات پر ہے۔ تاثیر نے اقبال کی شاعری کو فکری لحاظ سے تین ادوار میں تقسیم کیا ہے: ابتدائی دور، خودمستی و انفرادی اور جذباتی تجربات کا دور، دوسرا دور ماحول سے وابستگی کا زمانہ اور تیسرا دور جب اقبال کی فکر آفاقیت اور عالمگیر نقطہ نظر کی علمبردار بن گئی۔ اقبال کی فکر میں تضادات کے موضوع پر تاثیر نے تمام اعتراضات کا استدلالی اور منطقی انداز سے اپنے مضمون ''اقبال میں تضاد نہیں'' میں جواب دیا اور اس نکتے کی بھی وضاحت کی کہ اقبال نے موضوعات کی وسعت کے ساتھ ساتھ اردو غزل میں فنی اعتبار سے بھی وسعتیں پیدا کیں۔ ٹیگور سے اقبال کا موازنہ کرتے ہوئے تاثیر نے اقبال کی شاعری کو حیات افروزی اور قوت سے مالا مال قرار دیا۔

بیسویں صدی کے اردو ادب کی تاریخ میں ڈاکٹر محمد دین تاثیر کا نام ایک ممتاز مقام رکھتا ہے۔ ان کی ذات بہت سے علمی و ادبی اوصاف سے متصف تھی۔ وہ ایک منفرد لہجے کے خوش گو شاعر، صاحب طرز ادیب اور معتبر نقاد تھے۔ اردو ادب کی دنیا میں تاثیر کی شہرت زیادہ تر شاعر کی حیثیت سے ہوئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ادبی تاریخ میں تاثیر کی سب سے بڑی حیثیت ایک نقاد کی ہے۔ انھوں نے ادب اور فنونِ لطیفہ کے نظری و عملی مسائل پر کم وبیش ایک سو سے زائد مضامین تحریر کیے جن میں سے تیس مضامین اقبال کی شخصیت اور شاعری کا احاطہ کرتے ہیں۔ اقبالیات کے حوالے سے لکھے جانے والے بیس (۲۰) مضامین اردو میں اور دس (۱۰) مضامین انگریزی زبان میں ہیں۔[۱]

اقبالیات سے تاثیر کی دلچسپی کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ تاثیر نے اپنا پہلا تنقیدی مضمون ''فلسفہ اقبال'' کے نام سے تحریر کیا جو ماہنامہ نیرنگ خیال لاہور کے اگست ۱۹۲۴ء کے شمارے میں شائع ہوا۔

تاثیر کو بچپن ہی سے علامہ اقبال کی شخصیت اور شاعری سے دلچسپی تھی۔ اُن کے اپنے بیان کے مطابق بچپن میں علامہ اقبال سے ملاقات کا شرف حاصل ہوگیا تھا۔[۲] بعد میں وہ التزام سے علامہ اقبال کے ہاں حاضر ہونے لگے۔

تاثیر کو اقبال کے ساتھ بے شمار ملاقاتوں کے علاوہ، ان کے قریب رہ کر کام کرنے کے مواقع بھی حاصل رہے۔ مثلاً علامہ اقبال کے معرکہ انتخاب پنجاب کونسل میں پبلسٹی اور دفتر کا کام تاثیر کے سپرد رہا۔ چھپن فی صد تحریک اور غازی علم الدین کمیٹی (جس کے اقبال روحِ رواں تھے) کے تاثیر بھی رکن رہے۔ اسی طرح کشمیر کمیٹی کی روداد تاثیر ہی لکھا کرتے تھے نیز تاثیر جماعتِ قادیان کے امام سے علامہ اقبال کے تعلقات بگڑنے کے مختلف مراحل کے شاہد بھی تھے۔[۳]

علامہ اقبال نے تاثیر کی شادی کے مسئلے پر بھی خصوصی دلچسپی لی۔ تاثیر اور بیگم بلقیس تاثیر کا نکاح نامہ خود تیار کیا۔ نکاح خود پڑھایا اور اس پر گواہ کی حیثیت سے دستخط فرمائے۔ اقبال سے تاثیر کی ملاقاتوں کا سلسلہ رحلت اقبال ۱۹۳۸ء تک جاری رہا۔ الغرض تاثیر کو طویل عرصے تک اقبال کی ذاتی اور علمی قربت میسر رہی۔ مختلف ملاقاتوں میں انھیں اقبال کی شخصیت، شاعری اور فکر کی تفہیم کے مواقع ملتے رہے۔

تاثیر خود بھی مشرق و مغرب کے جملہ علوم وفنون کا وسیع علم رکھتے تھے۔ لہٰذا فکرِ اقبال کی گہرائیوں اور

باریکیوں کو پوری طرح سمجھنے کی صلاحیت سے متصف تھے۔ اس لحاظ سے تاثیر اپنے معاصرین میں اقبالیات کے موضوع پر تنقید لکھنے والے موزوں ترین نقاد تھے۔

اقبال پر تاثیر کے مضامین کا امتیازی وصف ذاتی ملاقاتوں کے حوالے سے اقبال کی شخصیت، فکر اور شاعری کے مختلف پہلوؤں کی تفہیم ہے۔ ان مضامین میں اقبال کی شخصیت کے اوصاف کو مختلف واقعات کے بیان سے اجاگر کیا گیا ہے۔ اقبال پر تاثیر کی بعض تحریروں میں اقبال کی محفلوں کو زندہ کر دیا گیا ہے۔ ان تحریروں میں اقبال اور ان کے احباب مختلف علمی و ادبی موضوعات پر گفتگو کرتے نظر آتے ہیں اور اقبال کی شخصیت کو زندہ صورت میں چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اور بولتے دیکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً ''شاعرِ مشرق کے حضور'' مضمون میں اقبال کے اندازِ شعر گوئی کی تصویر کشی اسی طرح کی گئی ہے کہ قاری خود کو اقبال کی محفل میں موجود و محسوس کرنے لگتا ہے۔ تاثیر لکھتے ہیں:

> فکرِ شعر میں سر جھکا لیا، حضرت علامہ کہنے لگے لو سنو! تم غزل غزل پکار رہے تھے تو غزل ہی سہی
>
> عرصۂ محشر میں میری خوب رسوائی ہوئی
> داورِ محشر کو اپنا رازداں سمجھا تھا میں
>
> یہ شعر کہہ کر علامہ کچھ رُکے۔ دو تین منٹ تک اور پھر یہ حالت تھی کہ میں نقل نہیں کر سکتا تھا کہ ایک اور شعر تیار ہوتا۔ دوسرا شعر جاوید نامہ کی کیفیات کا حامل تھا۔ مہر و ماہ و مشتری کو ہم عناں سمجھا تھا میں۔ جوں جوں شعر ہوتے جاتے علامہ کی حالت بدلتی جاتی تھی۔ بستر ہی میں اُٹھ کر پاؤں کے بل بیٹھ گئے، آواز میں لرزش آ گئی۔ جھوم جھوم کر داہنے ہاتھ کی سبابہ اٹھا کر انشا کرتے تھے اور اس شعر پر:
>
> تھی وہ اک درماندہ رہرو کی صدائے دردناک
> جس کو آواز رحیل کارواں سمجھا تھا میں
>
> وہ بھی رو رہے تھے اور ہم بھی، نجانے یہ غزل کتنی لمبی ہو جاتی مگر یہ فیضیانی سلسلہ ایک اجنبی ملاقاتی کی آمد سے منقطع ہو گیا۔''[۴]

اقبال کی شخصیت کی سادگی و بے تکلفی، مروت و احسان مندی اور اعلیٰ ظرفی جیسے اعلیٰ انسانی اوصاف کو مختلف واقعات کے حوالے سے اس طرح اُجاگر کیا گیا ہے کہ اقبال کی حقیقی شخصیت کا ایک زندہ مرقع پیشِ نظر ہو جاتا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ان کی محفل مشیخیت اور یبوست کی آئینہ دار نہ تھی۔ وہاں قہقہے، لطیفے، تمسخر، رندی، عاشقی کا بھی چرچا تھا اور عمیق تفکر اور دردِ ملت و انسانیت کا بھی ذکر و فکر تھا۔ مجھے سپنگلر یا کانٹ کی کوئی رمز سمجھ میں نہیں آئی تو بھاگم بھاگ وہاں پہنچا اور بامراد لوٹا۔ اور جو دل افسردہ ہو گیا تو ہوا سے کھیلتا ہوا آیا۔ اختلافِ رائے ہوا تو ان میں طالب علمانہ عجز پایا اور جو قدم ڈگمگایا تو انھیں خضر راہ پایا۔ ہم نے ہزاروں باتیں مانیں تو ایک آدھ منوا بھی لی۔ مگر

وہاں استدلال کی جگہ تحکم نے کبھی نہ لی اور ان کانوں نے اس محفل میں ''انا'' کی تعلّی کبھی نہ سنی۔[۵]

تاثیر کے ان مضامین کے بعض مندرجات کی مدد سے اقبال کی شخصیت کے ظاہری خدوخال اور باطنی اوصاف کا ایک خاکہ مرتب کیا جاسکتا ہے۔ اس لحاظ سے تاثیر کی یہ تحریریں فنِ خاکہ نگاری کی بعض خصوصیات کی حامل بھی ہیں۔

اقبال پر تاثیر کے مضامین کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ تاثیر اقبال کے شاعرانہ فکر کو بنیادی اہمیت دیتے تھے۔ اقبال پر تاثیر کا سب سے پہلا مضمون جو جولائی ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا اس کا عنوان ہی ''فلسفۂ اقبال'' ہے۔ اسی طرح تاثیر نے ہی سب سے پہلے اقبال کے لیے شاعر فلسفی (Poet- Philosopher) کی اصطلاح استعمال کی جس سے اقبالیاتی تنقید میں اس بحث کا آغاز ہوا کہ اقبال شاعر فلسفی ہیں یا فلسفی شاعر؟

تاثیر کلام اقبال کو گہرے فلسفے اور اعلیٰ شاعری کا نادر امتزاج خیال کرتے ہیں۔ بقول تاثیر

> Iqbal is the greatest poet philosopher of this age. He has written poetry which is great poetry as well as deep philosophy. This is a very rare combination.[۶]

تاثیر فکر اقبال کے ماخذات کا سراغ لگاتے ہوئے کلامِ اقبال کو مشرقی و مغربی مفکرین کے مثبت افکار اور قرآنی تعلیمات کا حامل قرار دیتے ہیں۔ اس ضمن میں تاثیر اقبال کے مغربی ناقدین کے اس خیال کی تردید کرتے ہیں کہ اقبال نے اپنے نظریے میں مردِ مومن کی بنیاد نطشے کے Superman کے تصور پر رکھی ہے اور اقبال، نطشے اور برگساں سے متاثر ہے۔

تاثیر ای ایم فورسٹر اور دیگر مستشرقین کے اس خیال کو متعصّبانہ ذہنیت اور مشرق کی برتری کے خلاف ہونے کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ تاثیر کا کہنا ہے کہ مغربی ناقدین اسی نفسیاتی خوف کی وجہ سے اقبال کی عظمت کو مغربی مفکرین کا مرہونِ منت ٹھہرانے پر تلے ہوئے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اقبال کا تصورِ قوت سراسر قرآنی تعلیمات اور مشرقی مفکرین کے مطالعے کا نتیجہ ہے، جیسا کہ اقبال نے خود واضح کیا ہے:[۷]

> I could have easily explained myself in the light of the Quran and Muslim Sufis and thinkers. As a matter of fact I did so explain myself in my Hindustani introduction to the Ist edition of the *Asrar*. I claim that the philosophy of the *Asrar* is a direct development out of the experience and speculation of old Muslim Sufis thinkers .

انگریز نقادوں کی اقبال کے نظریہ جہاد پر تنقید کو تاثیر اقبال کے نظریات کو غلط معانی پہنانے کا عمل قرار دیتے ہیں۔ تاثیر قرآنی تعلیمات اور تاریخ اسلام کی روشنی میں جہاد فی سبیل اللہ کی وضاحت کرتے ہوئے اقبال کے نظریہ جہاد کو حیاتِ انسانی کی بقا کا ضامن اور اخوت اور محبت کا امین خیال کرتے ہیں۔ تاثیر حضورِ پاک ﷺ کے برپا کردہ اسلامی انقلاب کو دستور کا فطری نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ تاثیر تاریخ عالم میں انقلابات کے محرکات کا تجزیہ کرتے ہوئے قوم کے افکار، افراد کی تنظیم و ترتیب اور قیادت کو بنیادی

محرکات خیال کرتے ہیں لہٰذا اصل روح اسلام، قرآنی تعلیمات اور آنحضور ﷺ کی قائدانہ توانائی اور استقامت میں مضمر ہے۔ یہی اقبال کا فلسفہ ہے۔ بقول تاثیر:

> اصل حقیقت وہ خیال تھا جس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے زندگی وقف کر رکھی تھی اور وہ خیال کتاب الٰہی یعنی قرآن تھا۔ یہی وہ قرآن ہے جو اصل معنوں میں روحِ اسلام ہے اور حیاتِ نبی ﷺ کی صحیح تفسیر ہے۔ یہی وہ روحِ اسلام ہے جس کی ترجمانی علمائے اُمت کا کام ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے علما اپنے فرض منصبی کو بھول گئے ہیں اور انھوں نے رسوم وظواہر کو اصل ایمان سمجھ لیا۔[۸]

تاثیر اپنے موقف کی وضاحت میں اقبال کے اسرار خودی کے درج ذیل اشعار پیش کرتے ہیں:

آں کتابِ زندہ قرآن حکیم
حکمتِ او لایزال است و قدیم
اے گرفتار رسوم ایمان تو!
شیوہ ہائے کافری زندان تو!
گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن[۹]

تاثیر اقبال کو ایک اسلامی شاعر قرار دیتے ہیں جس کے افکار کی اساس قرآنی تعلیمات پر ہے۔ تاثیر کے خیال میں اقبال نہ محض شاعر ہیں جیسا کہ خاص شاعرانہ نقطۂ نظر رکھنے والے نقاد خیال کرتے ہیں اور نہ ہی محض مذہبی مبلغ جیسا کہ مذہبی طرزِ فکر کے حامل مفکرین سمجھتے ہیں۔ اس ضمن میں تاثیر واضح کرتے ہیں کہ اقبال مذہبی عقائد کا شاعر نہیں اور نہ ہی مفروضہ مذہبی خیالات کا ترجمان ہے۔ بلکہ وہ ان معنوں میں اسلامی شاعر ہے کہ اس کا تصورِ حیات اسلامی ہے اور اس کا پیغام قرآنی اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق امید کا پیغام ہے۔ اس کی شاعری جذبہ و خیال کا امتزاج ہے۔ اس کے اعلیٰ خیالات زندہ رہیں گے کیونکہ وہ شاعرانہ ہیں اور اس کی شاعری زندہ رہے گی۔ اس کے اعلیٰ خیالات کی وجہ سے ان دونوں کے تعلق اور ہم آہنگی ہی سے اقبال کو مکمل طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ تاثیر کے الفاظ میں:

> Iqbal is an Islamic poet but he is not a poet of dogmas, not of supposed facts or ideas. Not cold ideas but ideas touched with emotions. And ideas touched with emotions are the facts of poetry. His ideas live because they are poetry, his poetry lives because it is ideas. It is only co-ordinating the two that one can fully understand Iqbal. .[۱۰]

کلامِ اقبال کے حوالے سے تاثیر یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ اقبال کے شاعرانہ فکر میں ارتقا پایا جاتا ہے۔ جیسے بعض نقادوں نے اقبال کے نظریات کو تضاد پر محمول کرلیا ہے۔ تاثیر اپنے مضمون ''اقبال کا شاعرانہ فکر'' میں اقبال کے شعروفکر کی نشوونما کو فطری عمل سمجھتے ہیں۔ وہ اقبال کی شاعری کو فکری لحاظ سے

تین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱- ابتدائی دور، خود مستی اور انفرادی وجذباتی تجربات کا دور ہے۔ جس میں شاعر کی سوچ کا محور اس کی اپنی ذات ہے۔

۲- دوسرا دور، ماحول سے وابستگی کا زمانہ ہے۔ جس میں شاعر وطن کے لوگوں اور اردگرد کے مناظر سے اپنا جذباتی تعلق استوار کرتا دکھائی دیتا ہے۔

۳- تیسرا دور، فکر اقبال کی آفاقیت اور عالم گیر نقطہ نظر کا زمانہ ہے۔ جس میں شاعر پوری کائنات کے تناظر میں انسانی مسائل کو موضوع بناتا ہے۔

اقبال کی شاعری کے ان ادوار کو تاثیر انسانی شخصیت کی نشوونما کے تین مراحل سے ملا کر فکرِ اقبال کے ارتقا کی نفسیاتی توجیہ پیش کرتے ہیں۔ تاثیر لکھتے ہیں:

> جدید نفسیات کے ماہرین کہتے ہیں کہ آدمی بچپن میں محض اپنے آپ میں محو ہوتا ہے۔ اپنا عاشق آپ ہوتا ہے۔ ذرا بڑھتا ہے تو پھر اپنے اردگرد نگاہ ڈالتا ہے۔ اب اسے اپنے ماں باپ سے محبت ہوتی ہے۔ اپنے خاندان سے لگاؤ ہوتا ہے، یہ دوسرا درجہ ہے۔ اپنے آپ سے نکل کر اپنے اردگرد کی دنیا، ماں باپ اور خاندان سے لگن رکھتا ہے۔ تیسرا اور آخری درجہ یہ ہے کہ ماں باپ کی گود سے نکل کر باہر کی دنیا کو دیکھتا ہے اور اس کی محبت گھر سے باہر شروع ہوتی ہے۔[11]

تاثیر انسانی شخصیت کے ان مدارج کو جو ماہرین نفسیات نے متعین کیے ہیں، اقبال کی شاعری کے تین ادوار پر منطبق کرنے کے بعد نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اقبال کے فکر کا ارتقا فطری انداز میں نشوونما پانے والی ایک نارمل انسانی شخصیت کی طرح بالکل فطری اور متوازن ہے۔ وہ نہ تو ذاتی تجربات اور نرگسیت کے مقام پر رک کر رہ جاتا ہے اور نہ ہی ماحول اور مظاہر فطرت میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ بلکہ شعور کی منازل کو طے کرتا ہوا اپنی فکر کو آفاقی اور عالم گیر سطح تک لے جاتا ہے۔

تاثیر کے نفسیاتی اندازِ نقد سے اختلاف کرتے ہوئے ڈاکٹر رفعت حسن لکھتی ہیں:

> In M.D Taseer's opinion Iqbal progressed from self-love to the love of the homeland, then to love of Islam and finally to love of the mankind. Although the correspondance that the author sees between the stages of man's growth (as percieved by "modern psychologists") and the phases of Iqbal's poetic career stimulate interest and reflection yet it does not, in my opinion, offer an adequate explanation of the nature or development of Iqbal's poetic inspiration or vision. [12]

ڈاکٹر رفعت حسن نے صرف یہی لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ ان کی رائے میں اقبال کے شعری سفر کو انسانی شخصیت کی نشوونما سے متعلق ماہرین نفسیات کے بیان کردہ مراحل سے توجیہ کرنا مناسب نہیں۔ تاہم ڈاکٹر موصوف نے یہ واضح نہیں کیا کہ ایسا کرنا کیوں نامناسب ہے۔ غالباً ڈاکٹر موصوف تاثیر کے اس

انداز نقد کو اقبال کی عقیدت وعظمت کے لیے مناسب خیال نہیں کرتے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ تاثیر کا یہ نفسیاتی استدلال ان کی تنقیدی بصیرت پر دلالت کرتا ہے۔ جذبۂ عقیدت ذاتی سطح سے ترفع کر کے کس طور پر عالم گیر محبت میں متشکل ہوتا ہے۔ یہ اقبال کی شاعری اور شخصیت کا نہایت ہی قابل توجہ پہلو ہے۔ جذبۂ محبت کی بشری اور روحانی کیفیات میں تطبیق وتلاش کرنا گویا ارضی وسماوی اقدار کو ایک وحدت کی کڑی میں دیکھنے کے مترادف ہے جو تاثیر کی تنقیدی ژرف نگاہی کا مظہر ہے۔ تاثیر کی بیان کردہ توضیحات اقبال کی ذہنی وجذباتی زندگی کے ارتقائی مراحل کو اسی طرح پیش کرتی ہیں جیسے اقبال کی زندہ شخصیت مسلسل ارتقا و ترفع کی طرف مائل بہ پرواز تھی۔ اقبال کی جذباتی اور فکری زندگی میں مطابقت اور ہم آہنگی تلاش کر کے تاثیر نے اقبالیات کی ایک اہم تنقیدی جہت کو متعارف کروایا ہے۔

فکرِ اقبال پر عام اعتراض یہ وارد کیا جاتا ہے کہ تصوف سے متعلق علامہ اقبال کے نظریات میں تضاد پایا جاتا ہے۔ میکش اکبر آبادی نے اپنے مضامین (مطبوعہ پندرہ روزہ آج کل دہلی بابت یکم فروری، ۱۵ر فروری ۱۹۴۶ء اور ۱۵ر ستمبر اور یکم/اکتوبر ۱۹۴۶ء) میں یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ اقبال کا کلام متضاد نظریوں کا مجموعہ ہے۔[۱۳]

میکش اکبر آبادی نے تصوف کے مختلف فکری پہلوؤں (وحدت الوجود، مادہ اور روح، ترکِ عالم اور خودی وغیرہ) پر فلسفیانہ بحث کرتے ہوئے ان کے بارے میں اقبال کے نظریات میں پائے جانے والے بعض تضادات کو نمایاں کیا ہے۔ تاثیر نے اپنے مضمون ''اقبال میں تضاد نہیں'' میں ان تمام اعتراضات کے بالترتیب نہایت استدلالی اور منطقی انداز میں جوابات فراہم کیے ہیں۔

سب سے پہلے تاثیر ''وحدت الوجود'' کے مسئلے پر اقبال کے خیالات کی اصل روح کو پیش کرتے ہیں۔ تاثیر اقبال کے حقیقی خیالات کی ترجمانی دو نہایت ہی بلیغ اور وسیع المعانی اصطلاحات (جمودی تصوف اور متحرک تصوف) کے ذریعے کرتے ہیں۔

وحدت الوجود کے بارے میں اقبال کے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اقبال وحدت الوجود سے اثباتِ خودی کرتا ہے اور اقبال کے معیار خیر وشر کے مطابق جس سے نفی خودی ہو وہ شر ہے اور جس سے اثباتِ خودی ہو وہ خیر ہے۔ ''جمودی تصوف'' میں خدا کو سب کچھ مان کر انسان کو ہیچ، عمل کو بے سود اور ایمان کو لایعنی قرار دیا گیا۔ شریعت کا تمسخر اڑایا گیا۔ رہبانیت کو تو سراہا گیا مگر متحرک تصوف میں خدا کو سب کچھ مان کر انسان کو خدا کے قریب کیا گیا۔ بقول اقبال **تخلقوا باخلاق اللّٰہ** کا یہی مفہوم ہے یہاں تک کہ: ع
>
> خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

یہ دو نتائج ہیں، دو تفسیری رجحانات ہیں، دو مختلف راہیں ہیں۔ منبع دونوں کا وحدت الوجود کا نظریہ ہے۔ اقبال ایک کو مذموم اور دوسرے کو محمود قرار دیتا ہے۔ اس میں تضاد کا کوئی شائبہ نہیں۔[۱۴]

اپنے موقف کی تائید تاثیر کلامِ اقبال سے اشعار کی مثالوں سے کرتے ہیں۔ جب کہ میکش اکبر آبادی نے اقبال کو وحدت الوجود کا منکر قرار دیتے ہوئے اقبال کے کسی شعر کا حوالہ نہیں دیا۔ اس استدلال کے بعد تاثیر یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ: ''میکش صاحب نے وحدت الوجود کی فلسفیانہ صداقت اور وحدت الوجود کی مذموم تفسیر (دو مختلف شعبوں) کو ایک سمجھ کر مغالطہ کھایا ہے۔''[۱۵]

میکش اکبر آبادی کے بیان کردہ دوسرے پہلو ''مادہ اور روح'' کو زیرِ بحث لاتے ہوئے تاثیر واضح کرتے ہیں کہ اقبال کے نزدیک مادہ کوئی الگ حقیقت نہیں بلکہ روح کی ہی ایک جہت اور شکل کا نام ہے۔ تاثیر اقبال کے اس مقولے سے میکش صاحب کے استخراج اور نتائج کو درست تسلیم نہیں کرتے۔ بقول تاثیر:

میکش صاحب اقبال کے اس مقولے کو درج تو کرتے ہیں مگر نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ ''مادے اور روح کو دو حقیقتیں نہیں مانتے بلکہ (سمجھتے ہیں کہ) ایک شے اپنی مختلف جہات کی حیثیت سے مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہیں'' حالانکہ اقبال روح اور مادہ کو ایک شے کے دو نام نہیں بلکہ مادہ کو روح کی ایک شکل قرار دیتے ہیں۔ یہ شکل جسے مادہ کہتے ہیں، زمانی مکانی مخلوق کے لیے ایک واقعہ ہے۔ اقبال اس واقعہ سے انکار نہیں کرتا اور اس دنیا میں اس مادہ کے جو لوازم ہیں، ان کی پابندی سے گریزاں نہیں۔ مادہ کی ایک صورت جسم انسانی اور ایک صورت خوراک ہے۔ خوراک جسم کے لیے ضروری ہے اور اس دنیا میں روح کا اظہار اسی جسم کے ذریعے ہوتا ہے۔ اس لیے جسم کو قتل کرنے کا اقبال مخالف ہے۔ مگر وہ یہ چاہتا ہے کہ ہم اس مادہ کی غیر مستقل حیثیت سے آگاہ رہیں۔ اس کی کوتاہیوں سے خبردار ہو کر مادی علائق کو ان کی اپنی حد تک ضروری سمجھیں اور اصل مدعا تربیت روح کو قرار دیں۔ یہ بھی سیدھی سی بات ہے۔[۱۶]

اسی طرح تاثیر حقیقتِ عالم کی تفہیم کے سلسلے میں میکش اکبر آبادی کے فکری مغالطے کا ذکر کرتے ہوئے فکرِ اقبال کی روشنی میں عالم کی اصل حقیقت کو درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

اصل حقیقت گویا سورج کی ایک کرن جو بلور جہت سے چھن کر ہمیں کئی رنگ کی کرنیں نظر آتی ہیں۔ یہ کئی رنگ دھوکا نہیں مگر حقیقت بھی نہیں۔ اقبال ان اضداد عالم کی کثرت اور حقیقت کی ظاہری اور معنوی صورتوں کو نمایاں کرتا ہے، تضاد بیانی نہیں کرتا۔[۱۷]

نظریہ باطن کے ضمن میں تاثیر اقبال کی متوازن اور متعدل فکر کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اقبال دروں میں بھی ہے اور بروں میں بھی ہے۔ حواس کا منکر نہیں، عقل و ادراک سے انکار نہیں کرتا لیکن فقط ان کو سالک راہ نہیں بناتا۔ باطن کی نظر اور ظاہر کی نظر دونوں کو استعمال کرتا ہے۔ فقط دروں بینی رہبانیت ہے۔ فقط بروں بینی مادیت ہے۔ اسلام کی طرح اقبال کا راستہ اعتدال کا ہے اور اعتدال تضاد نہیں۔[۱۸]

تاثیر واضح کرتے ہیں کہ خودی کے موضوع پر اقبال کے خیالات کو سمجھنے میں میکش اکبرآبادی کو وہی مغالطہ ہوا ہے جو روح اور مادہ کے سلسلے میں ہوا ہے۔ تاثیر اقبال کے نظریہ خودی کی صراحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بقول اقبال حقیقت اصلی وحدت ہے اور اس حقیقت اصلی کا اندرونی محرک خودی ہے۔ خالق اور مخلوق (کہ یہ اعتباری نام ہیں) خودی ہی سے ہیں اور خودی کوئی باہر کی قوت نہیں بلکہ یہ نام ہے تخلیقی تحریک کا۔ اب اگر آپ وحدت الوجود کو مانتے ہیں تو پھر خودی کی اس ہمہ گیری سے تضاد کا شائبہ کیوں کر پیدا ہوتا ہے؟ اگر خالق اور مخلوق میں وحدت ہے تو پھر اس صفت محرکہ یعنی خودی کی مختلف الالوان حقیقت سے انکار کیوں ہے؟ البتہ اگر آپ وحدت الوجود کے قائل نہیں تو پھر ''خودی'' کیا اور کئی یگانگتوں پر اعتراض کیا جاسکتا ہے۔ مختصراً عرض ہے کہ خودی زندگی کی طرح مجموعہ اضداد ہے اور ان اضداد کی کش مکش سے زندگی اور خودی کی پرورش ہوتی ہے۔ اقبال نے اس کشاکش کے اظہار کے لیے خودی کے مختلف مظاہر سے بحث کی ہے۔ اسے خصوصیات اور محبت کا موجب قرار دیا ہے۔ خالق اور مخلوق کی صفت واحد قرار دیا ہے۔ یہ تضاد بیانی نہیں بلکہ تضاد میں تلفیق کی ہے، حقیقت کی ترجمانی کی ہے۔[19]

تاثیر کے اس اقتباس سے جہاں اقبال کے تصورِ خودی کی وضاحت ہوتی ہے وہیں تاثیر کے جدلیاتی اندازِ فکر کا پتہ چلتا ہے۔ زندگی اور انسانی خودی میں کارفرما متصادم قوتوں کا شعور ملتا ہے۔ جو تاثیر کی تنقید کا اہم وصف ہے۔ جدلیاتی نقطہ نظر سے زندگی کی بنیادی حقیقت تضادات کی تلفیق میں مضمر ہے اور تاثیر کا حاسۂ انتقاد اسی حقیقت کا سراغ لگاتا ہے۔ تاثیر کا جدلیاتی انداز تنقید اس مضمون میں اپنے عروج پر دکھائی دیتا ہے۔ مضمون کے آخر میں تاثیر جملہ مباحث سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اقبال کے نظریات میں تضاد نہیں بلکہ ایک ارتقائی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

تاثیر کی اقبالیاتی تنقید میں اقبال کے نظریہ فن و ادب کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس موضوع پر تاثیر کے چار تنقیدی مضامین ملتے ہیں جن میں سے تین مضامین (''اقبال کا نظریہ فن و ادب''، ''اقبال کا نظریۂ شاعری'' اور ''سرودرفتہ'') اردو میں ہیں جب کہ ایک مضمون "Iqbal's Theory of Art and Literature" انگریزی میں لکھا گیا ہے اور اس میں کم و بیش انھی خیالات کا اعادہ کیا گیا ہے جو متذکرہ بالا تین اردو مضامین میں بیان ہوئے ہیں۔

ان مضامین میں تاثیر نے ادب اور فنونِ لطیفہ کے بارے میں اقبال کے نظریات کی توضیح و توجیہ اقبال کے فرمودات اور کلام کی روشنی میں کی ہے۔ تاثیر واضح کرتے ہیں کہ اقبال شعر و ادب میں مقصودیت کے قائل ہیں۔ بقول تاثیر:

حالی کی مقصدیت اقبال کو ورثے میں ملی تھی۔ انھوں نے بالکل صاف الفاظ میں فن برائے فن کی مخالفت کی اور ان

کے زمانے میں موسیقی، مصوری، تعمیرات اور ادب میں جو انحطاطی رجحانات آ گئے تھے، ان پر سخت تنقید کی۔[۲۰]

حالی اور اقبال سے قبل اٹھارہویں اور انیسویں صدی کی اردو شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے تاثیر شعرا کے دو نمایاں رجحانات کا ذکر کرتے ہیں۔ (الف) شاعری ذاتی دکھڑوں کا رونا رونے تک محدود ہوگئی۔ (ب) زوال آمادہ بادشاہت کے درباری ماحول نے شاعری کو حقیقی زندگی سے دور کر کے اس میں مصنوعیت پیدا کر دی۔ ان دو رجحانات نے شاعری اور شعرا کو زندگی کی حقیقتوں سے فرار کے راستے پر گامزن کر دیا۔ تاثیر تسلیم کرتے ہیں کہ اقبال کی شاعری کا آغاز اس زوال آمادہ شعری فضا میں ہوا۔ جس کا رنگ ان کی ابتدائی غزلوں (خصوصاً داغ کے رنگ میں لکھی گئی غزلوں) میں نمایاں ہے۔ تاہم تاثیر واضح کرتے ہیں کہ:

> اقبال ان سطحی لذتوں سے جلد اکتا گیا۔ اسے ہنگامی حسن پرستی کی حقیقت بہت جلد معلوم ہوگئی اور وہ اس سطح سے گزر کر زندگی کی گہرائیوں میں اتر آیا۔ اسے آگاہی ہو چکی تھی کہ زندگی اور ادب جدا نہیں کیے جا سکتے۔ ان میں ایک بنیادی پیوستگی ہے۔[۲۱]

تاثیر ہومر اور گوئٹے کے حوالے سے شاعری اور ادب کی بنیادی اقدار کا تعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> حقیقت کی ترجمانی، ماحول کا احساس، صداقت کا اظہار۔ یہ ہے ادب کا مقصد۔ یہ وہ مقصد ادب ہے جس کا اقبال کو بہت جلد احساس ہوگیا اور ہر چند اقبال کے فلسفے اور نظامِ فکر میں بہت سے انقلابات آتے رہے مگر اس کا نظریہ شاعری ہمیشہ کے لیے یہی رہا۔ ۱۹۰۲ء سے لے کر ۱۹۳۸ء تک اقبال نے ادب اور زندگی کو ایک لمحے کے لیے مختلف نہیں سمجھا۔[۲۲]

تاثیر فنون اور شاعری کی ماہیت کے بارے میں علامہ اقبال کے نقطہ نظر کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں اقبال شاعری کو ایک خلقی اور الہامی عمل سمجھتے ہیں۔

اقبال کے نزدیک فن اور شاعری اگرچہ خلقی اور غیر ارادی جذبہ ہے تاہم اسے مقصدیت سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تاثیر خاص طور پر اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ مقصدیت سے اقبال کی مراد سیاسی نظریہ بازوں کی طرح پراپیگنڈہ کرنا نہیں بلکہ شعر و ادب کو زندگی اور شخصیت کے تابع کرنا ہے۔ تاکہ شاعر جماعتی سیاست یا جامد نظریوں کا غلام بن کر نہ رہ جائے۔ اقبال کے نزدیک حقیقی شاعر وہ ہے جو اپنی قوت عشق اور جوش و جذبہ کی بدولت سماجی زندگی میں شخصی نشو و نما اور کردار کی تہذیب و تطہیر کا باعث بنے۔

اقبال کے نظریہ فن کے بارے میں تاثیر نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اس لحاظ سے بھی بہت اہم ہیں کہ اس موضوع پر اتنے گہرے علمی و تنقیدی شعور کے ساتھ لکھے جانے والے ان مضامین کو تاریخی اولیت بھی حاصل ہے۔ بعد میں آنے والے اقبال کے ناقدین نے اس موضوع پر جامع انداز میں بہت کچھ تحریر کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقبالیات پر مستقل تصانیف تحریر کرنے کے باوجود اس موضوع پر وہ

تاثیر کے خیالات سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ مثلاً اقبال کے مشہور ناقد اور روحِ اقبال کے مصنف ڈاکٹر یوسف حسین نے اس موضوع پر کم و بیش انھی خیالات کا اظہار کیا ہے جو قریباً تیس سال قبل ڈاکٹر تاثیر نے پیش کیے تھے۔

اسی طرح عزیز احمد نے اپنی تصنیف اقبال نئی تشکیل میں اقبال کے نظریہ فن پر نہایت تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے تاہم یہ تمام تفصیلی مباحث تاثیر کے پیش کردہ تصورات کی توسیع اور وضاحت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اقبالیات پر اپنے تنقیدی مضامین میں تاثیر نے فکرِ اقبال کے مختلف گوشوں کو منوّر کرنے کے ساتھ ساتھ کلامِ اقبال کے بعض فنی محاسن کو بھی نمایاں کیا ہے۔ کلامِ اقبال کے فنی پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے تاثیر شعرِ اقبال میں پائی جانے والی پیرایہ بیان کی وسعت کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔ تاثیر اردو شاعری کی روایت کے تنقیدی جائزہ کے بعد لکھتے ہیں کہ اردو شاعری (خصوصاً اردو غزل) اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ہجر و فراق کے مضامین تک محدود ہو چکی تھی۔ نیز اردو شاعری کے اسالیبِ بیان مصنوعیت کا شکار ہو کر درباری ماحول تک محدود ہو چکے تھے۔ گھسے پٹے پیرایہ بیان نے اردو غزل کو ایک کٹھن اور تنگ فضا میں قید کر رکھا تھا۔ مجموعی طور پر اردو غزل کے لب و لہجہ میں ایک انفعالی اور مریضانہ کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ اقبال نے تنگنائے غزل میں موضوعات کی تازگی پیدا کی اور اسے ''ایک نئی قوم یعنی ملت پاکستان کی خواہشوں، تمناؤں اور مقاصد کی عکاس بنا کر اس قدیم صنف میں ایک نئی روح پھونک دی۔''[۲۳]

موضوعات کی وسعت کے ساتھ ساتھ اقبال نے اردو غزل میں فنی اعتبار سے جو وسعتیں پیدا کیں انھیں تین اعتبار سے اہم خیال کرتے ہیں۔

اقبال نے اردو اصناف شاعری (خصوصاً غزل) کو وسعت بیان کے لیے مناسب ظرف مہیا کیا۔
اول: غزل کے قافیائی نظام میں جدتیں پیدا کیں۔ دوم: غزل مسلسل سے غزل کے تاثر کو بڑھایا۔
سوم: غیر مردّف غزل کی بنیاد ڈالی۔ چہارم: اردو غزل کی مروجہ علامتوں کو نئے مفاہیم کی وسعتوں سے آشنا کیا۔

تاثیر اقبال کی غزل

دگرگوں ہے جہاں تاروں کی گردش تیز ہے ساقی
دلِ ہر ذرہ میں غوغائے رُستاخیز ہے ساقی

کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہاں مجرد قافیہ، تیزی، رُستاخیز، تبریز، پرمستی، ہیئت غزل کی مخصوص وضع کی آئینہ دار ہے۔ شعر کی ردیف یعنی

مکرر آنے والے معین الفاظ ''ہے ساقی'' کا آہنگ قافیہ کے مقابلے میں نسبتاً مدہم ہے۔ ہر شعر اپنی جگہ مکمل ہے جامع ہے لیکن ساری غزل کا تاثر ایک ہی ہے۔ شدت، ندرت، تکرار اور سحر کلام کے سبھی عناصر موجود ہیں جو دل پر ایک گہرا اور پائیدار نقش چھوڑتے ہیں۔[۲۴]

تاثیر کے اس اقتباس سے جہاں اقبال کی غزل میں قافیہ اور ردیف کے فنی برتاؤ سے پیدا ہونے والے حسن اور تاثر کو نمایاں کیا گیا ہے، وہیں تاثیر نے اقبال کی غزل کی ایک دوسری اہم صفت کی طرف بھی اشارہ دیا ہے جو اقبال کی غزل کو کلاسیکی غزل سے ممتاز و منفرد کرتی ہے اور وہ ہے پوری غزل میں ایک ہی تاثر اور کیفیت کا تسلسل جسے ناقدین غزل مسلسل کا نام دیتے ہیں۔ اقبال کے ہاں بال جبریل میں خصوصاً ایسی غزلوں کی فراوانی ہے۔ جن میں ایک ہی خیال کی مختلف جہتیں تسلسل کے ساتھ غزل کے ہر شعر میں رچی بسی ہیں۔ اقبال کی ایسی غزلوں کو نظم نما غزلیں کہا جاسکتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ایسی غزلیں لکھ کر اقبال نے غزل اور نظم کے فاصلوں کو بہت کم کر دیا ہے۔ غزل پر ریزہ خیالی اور انتشار خیالات کا جو اعتراض کیا جاتا ہے اقبال کی یہ غزلیں اس کا مثبت جواب ہیں۔

تاثیر اقبال کی غزل

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
اٹھتے ہیں حجاب آخر کرتے ہیں خطاب آخر

کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''یوں تو اس غزل کا ہر شعر الگ الگ ہے لیکن درحقیقت ایک ہی سلسلہ فکر کی کڑی ہے۔ یعنی یہ اقبال کے فلسفۂ حیات کے مختلف پہلوؤں کی نمائندگی کرتی ہے۔''[۲۵]

تاثیر اس حقیقت کا احساس بھی دلاتے ہیں کہ بال جبریل میں مستقل ردیف کے بغیر غزلیں بکثرت ملتی ہیں اور بقول تاثیر: ''یہ نئی بار اندازی قابل قدر ہے۔''[۲۶]

تاثیر نے اگرچہ واضح طور پر اس امر کی طرف اشارہ نہیں کیا کہ ردیف غزل میں ایک مجموعی تسلسل کی فضا پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے اور ردیف کی اس بار اندازی سے غزل کا تسلسل مجروح ہوسکتا ہے۔ تاہم تاثیر اس حقیقت کا غیر شعوری احساس رکھتے ہیں کہ اقبال کے ہاں غزل کا تسلسل محض ردیف کا مرہونِ منت نہیں بلکہ بظاہر غیر مسلسل فضا کی حامل غیر مردّف غزلوں میں بھی ایک موضوعی ربط پایا جاتا ہے۔ تاثیر اس ضمن میں اقبال کی ایک غیر مردّف غزل

یہ کون غزل خواں ہے پُرسوز و نشاط انگیز

کے حوالے سے واضح کرتے ہیں:

لیکن یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے کہ اقبال کی غزل یک قافیہ اور غیر مسلسل ہونے کے باوجود موضوعی یگانگت

رکھتی ہے۔ یہ ایک طرح کی نظمیہ غزل ہے۔ متفرق اشعار اور مختلف مضامین ایک نظام خیال کے ماتحت تنوع کے باوجود متناقص نہیں ہے[۲۷]

گو تاثیر کے خیال میں اقبال کی غزل میں تسلسل ردیف کے استعمال سے زیادہ ایک نظامِ خیال کا نتیجہ ہے اور یہی چیز ان کی غزل کو انتشار خیالی سے بچا کر نظمیہ ربط و ضبط کی خوبی سے ہم آہنگ کرتی ہے جو اردو غزل کے لیے ایک نیا تجربہ ہے۔ اور یہ تجربہ اردو غزل میں تازگی اور وسعت پیدا کرنے کا باعث بنا ہے۔

تاثیر کے خیال میں علامہ اقبال کا بحیثیت شاعر اردو شاعری میں انقلاب آفرین کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اردو غزل کی مروجہ علامات کو نئے معانی و مفاہیم سے آشنا کیا۔ ہر بڑا شاعر جہاں ازلی روایات کے ذخیرے سے استفادہ کرتے ہوئے شعر و ادب کے روایتی علائم و رموز سے استفادہ کرتا ہے۔ وہیں اس کے ہاں قدیم شعری علامات ایک نئی معنویت سے ہمکنار ہوتی ہیں۔ اور یہ علامات اپنے نئے دور کے عصری شعور، طرزِ احساس اور جدید خیالات و تصورات کی ترجمان بن جاتی ہیں۔ اقبال کا شمار ایسے ہی بڑے شعرا میں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی شاعری میں روایتی علامات و استعارات کا برتاؤ ایک نئے تناظر میں متعین مفاہیم سے بلند ہو کر وسیع معانی کا حامل بن جاتا ہے۔

تاثیر اقبال کے اس شعری و فنی کارنامے کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔ ان (تاثیر) کے خیال میں اقبال کا یہ کارنامہ انھیں دنیا کے بڑے شعرا کے مقابلے میں ایک ممتاز اور منفرد مقام عطا کرتا ہے۔ ہومر، دانتے، کالی داس اور ٹیگور جیسے عالمی شہرت یافتہ شعرا بھی اقبال کی طرح اپنی مذہبی روایات کی ترجمانی مخصوص علامتوں سے کرتے ہیں۔ تاہم اقبال کو ان شعرا کے مقابلے میں جو امتیاز و انفرادیت حاصل ہے اس کی وجہ امتیاز بیان کرتے ہوئے تاثیر لکھتے ہیں:

> اقبال بھی ان سب کی طرح ان روایات کو استعمال کرتا ہے جن میں وہ پھولا پھلا پروان چڑھا مگر ایک بات میں اقبال ان سے ممتاز ہے اور وہ یہ کہ وہ پرانی روایات کو اس طرح برتتا ہے کہ ان کا مفہوم بدل جاتا ہے اور ان میں نئے معنی پیدا ہو جاتے ہیں[۲۸]

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں تاثیر کلام اقبال میں استعمال ہونے والی بعض علامتوں کی مثالیں بھی پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں مثلاً جب کبھی اقبال ابراہیم خلیل اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے ایک نبی نہیں ہوتے بلکہ شاعر کا تصور انھیں جنگ آزادی کا مجسمہ بنا دیتا ہے اور آزر کے بت غلامی اور توہمات کی تمثیل بن جاتے ہیں۔ جنھیں توڑ کر انسان صحیح انسانیت کا دعوے دار ہو سکتا ہے۔ ایسے خلیل کو فرقہ واری کا نشان سمجھنا بدترین فرقہ وارانہ ذہنیت کی نشانی ہے۔ یہ وہ خلیل ہے جو مجسمہ ہے وطن کا، آزادی کا، عشق کا، جس کے متعلق اقبال نے کہا ہے:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی[۲۹]

ساقی کی علامت فارسی اور اردو شاعری کی ایک عام علامت ہے۔ جس کا مفہوم مے خانہ اور شراب سے متعلقہ مضامین تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ اقبال کی شاعری میں یہ گھسی پٹی علامت کس قدر معنوی وسعتوں سے آشنا ہوتی ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے تاثیر رقم طراز ہیں۔

ساقی کا استعارہ اور ہی مقصد کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ شاعر اس مے کا متلاشی نہیں جس سے دل و دماغ نشے میں ڈوب کر رہ جائیں وہ اشراقی دور کی غفلت و غلامی کے ان جانکاہ امراض کو نیست و نابود کرنے کا خواہاں ہے جو صدہا سال سے مسلمان مشرق کے زوال و انحطاط کا باعث رہے ہیں۔ اب ہم ایک نئے دور انقلاب میں داخل ہو چکے ہیں۔ ہمارے سامنے عظیم الشان امکانات کا ایک وسیع سلسلہ ہے۔ آیئے ہم قرون وسطیٰ کے اسلام سے ایمان و ہیجان کا بادہ سرجوش نوش کریں۔ یہ ہے اقبال کا حیات افروز پیغام[۳۰]

فن غزل گوئی کی روایت جو زوال آمادہ معاشرے میں انفعالیت اور مصنوعیت کا شکار ہو چکی تھی اقبال کے ان فنی اضافوں نے اس کے مردہ جسم میں تازہ خون دوڑایا اور اس میں ایک نئی روح پھونکی۔ لہٰذا تاثیر کہتے ہیں کہ ''دور جدید میں غزل کی صلاحیتوں کی نمائندگی اقبال کرتے ہیں اور غزل کے ایک نئے دور کا آغاز بالِ جبریل سے ہوتا ہے۔''[۳۱]

کلامِ اقبال میں تغزل کے عناصر کی کارفرمائی کو تاثیر اقبال کے شعری اسلوب کی دلکشی کا موجب سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں اقبال کی شاعری میں سوز و گداز، خیال کی رفعت، جذبے کی آنچ اور خونِ جگر کی حرارت اسے حیات آفریں اور حیات افزا بناتی ہے۔ تاثیر کہتے ہیں کہ اپنی مقصدیت کے باوجود شعر اقبال کا انداز ناصحانہ نہیں بلکہ خیال جذبے میں ڈھلتا ہے اور جذبہ و احساس کی آنچ قارئین کے دلوں کو گرماتی ہے۔ بقول تاثیر:

اقبال کے ہاں آرٹ محض ظاہری آنکھ سے دیکھی ہوئی چیزوں کا عکس نہیں۔ اقبال کی شاعری جمال و زیبائی کی ہی شاعری ہے۔ یہ جمالیاتی وارادت کا نتیجہ ہے۔ اس کی تہ میں جذبات ہی کارفرما ہیں جیسے غزلیہ شاعری یا عام تغزل میں مگر اس کا دائرہ محض جنسی کشش اور حواس تک ہی محدود نہیں[۳۲]

کلامِ اقبال کی شاعرانہ موسیقیت کو ظاہر کرنے کے لیے تاثیر اقبال کی مشہور نظم 'ایک شام' (دریائے نیکر (ہائیڈل برگ) کے کنارے پر) کی مثال دیتے ہیں۔ جس میں شاعر نے سی اور شی کی آوازوں کی تکرار سے خاموشی اور تنہائی کے تاثر کو گہرا کر دیا ہے۔ گوپی چند نارنگ کے بقول:

اس نظم کو پڑھتے ہی احساس ہوتا ہے کہ اس میں سناٹے اور تنہائی کی کیفیت بعض خاص خاص آوازوں کی تکرار سے بھی ابھاری گئی ہے بادی النظر میں معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ آوازیں س ش خ اور ف کی ہیں جو سات

شعروں کی اس مختصر سی نظم میں بار بار آئی ہیں۔[۳۴]

اس بیان سے جہاں تاثیر کے نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے وہاں گوپی چند نارنگ کے محولہ بالا مضمون سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ تاثیر نے کلامِ اقبال کے شاعرانہ آہنگ کے متعلق جو ابتدائی اور دھندلے اشارے دیے ہیں، بعد کے لسانیاتی شعور کے حامل اردو ناقدین نے شعوری یا لاشعوری طور پر اس سے تحریک حاصل کی اور اس موضوع پر تفصیلی انداز میں اظہارِ خیال کیا۔

اقبال کی شاعری میں منظر نگاری کی فنی خوبی کا ذکر کرتے ہوئے تاثیر کہتے ہیں کہ کلامِ اقبال میں منظر کشی خارجی مناظر کی تصویریں پیش کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ کسی خیال یا جذبے کی کیفیت کے تاثر کو گہرا کرنے کے لیے پس منظر کا کام دیتی ہے۔ تاثیر کے الفاظ میں:

> اقبال پتھروں، درختوں اور دریاؤں کا پجاری نہیں۔ انھیں جاندار نہیں سمجھتا خدائی طاقت مجسم نہیں مانتا۔ مناظر قدرت کو پس منظر کی حیثیت دیتا ہے۔ اس کے نزدیک انسان کے خیالات اور جذبات زیادہ اہم اور قابل توجہ ہیں۔[۳۵]

کلامِ اقبال پر کیے جانے والے اعتراض کہ ''اقبال کی شاعری میں منظر کشی مفقود ہے'' کا جواب دیتے ہوئے تاثیر اقبال کی نظم ''ساقی نامہ'' میں قدرتی مناظر کی تفصیلی تصویر کشی کی مثال دیتے ہیں جس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اقبال مناظر کے بیان سے مختلف جذبات واحساسات کو ابھارنے کا کام لیتے ہیں جیسا کہ ''ساقی نامہ'' میں مناظر فطرت کا تحرک، رنگ بہار اور سرمستی وسرخوشی کے جذبات کو بیدار کرنے کا باعث بنتا ہے جو کہ پیامِ زندگی ہے۔

شعر اقبال کی فنی وتخلیقی توانائی میں تاثیر اقبال کے لہجے کی مردانگی اور رجائیت کو بنیادی حیثیت دیتے ہیں۔ اقبال کے لہجے میں زندگی کی قوت ہے جو دلوں کو گرماتی ہے اور رجائی لب ولہجہ زندگی کرنے کا عزم اور حوصلہ عطا کرتا ہے۔ تاثیر کلامِ اقبال کا موازنہ نوبل انعامی یافتہ بنگالی شاعر ٹیگور سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ٹیگور کا پیغامِ امن، پیغامِ موت ہے، اس کا وطنیت اور استبدادیت کا دشمن ہونا اس کی غلامانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے اور اس کا حسن وعشق سے رابطہ ذوق عمل سے محروم ہونے کی نشانی ہے، جب کہ ''اقبال کی شاعری کا پہلا اور آخری وصف زندگی ہے۔ اس کی نظموں کا ہر مصرعہ اس کے فلسفہ کا ہر صفحہ روح حیات سے لبریز ہے۔ اس کی رگوں میں خون وجدان حیات کی مسرت سے رقص کناں ہے۔[۳۵]

ٹیگور اور اقبال کی شاعری پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد تاثیر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ:

> اقبال کے آہنگ مردانہ کے مقابلے میں ٹیگور کی آواز لرزتی ہے اور اقبال اور ٹیگور میں زندگی اور موت کا فرق ہے۔[۳۶]

اقبال کے مردانہ لہجے کی توانائی اور رجائیت کی سرمستی وسرخوشی اقبال کی شاعری کو حیات افروزی کی قوت سے مالا مال کرتی ہے۔

الغرض تاثیر اپنے مضامین میں فکرِ اقبال کے ساتھ ساتھ شعر اقبال کے فنی محاسن اور تخلیقی پہلوؤں کو بھی منکشف کرتے ہیں۔ اقبال پر تاثیر کے یہ مضامین کا یک طرفہ فکری یا فنی مطالعہ نہیں بلکہ فکروفن کی وحدت کے ساتھ تخلیقی اکائی کی صورت میں تفہیم اقبال کے اساسی نکات کا احاطہ کرتے ہیں۔

حوالے وحواشی

۱- یہ مضامین افضل حق قرشی نے مرتب کر کے اقبال کا فکر و فن اور *Iqbal: The Universal Poet* کے نام سے شائع کر دیے ہیں۔

۲- تاثیر: ''میرا عہدِ طفلی''، کریسنٹ، لاہور، یادگار نمبر، فروری/اپریل، ۱۹۵۱ء۔

۳- تاثیر: ''اسماء الرجال اقبال''، کریسنٹ لاہور، یادگار نمبر، فروری/اپریل، ۱۹۵۱ء۔

۴- افضل حق قرشی (مرتب): اقبال کا فکر و فن، یونیورسل بکس، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۴۲۔

۵- ایضاً، ص ۲۱۲۔

6- Afzal Haq Qarshi (Ed), *Iqbal: The Universal Poet*, Bazm-i- Iqbal, Lahore, 1977, p. 47.

7- Iqbal's Letter to R. A. Nicholson, *The Quest*, London, Oct, 1920 and July 1921, Vol XII, p. 492, reproduced in *The Sword and Sceptre* by Riffat Hasan, Iqbal Academy Pakistan, Lahore 1977, p. 367.

۸- تاثیر: ''فلسفہ اقبال''، ماہنامہ نیرنگ خیال، لاہور، اگست ۱۹۲۴ء، ص ۲۴۔

۹- ایضاً، ص ۲۱۲۔

10- Afzal Haq Qarshi (Ed), *Iqbal: The Universal Poet*, Bazm-i- Iqbal, Lahore, 1977, p. 14.

۱۱- تاثیر: ''اقبال کا شاعرانہ فکر''، اقبال کا فکر و فن مرتبہ افضل حق قرشی، یونیورسل بکس، لاہور ۱۹۸۸ء، ص ۸۷۔

12- Riffat Hasan (Ed), *The Sword and the Sceptre*, Iqbal Academy Pakistan, Lahore, 1977, (Introduction), p. XIV.

۱۳- میکش اکبر آبادی: نقد اقبال، مکتبہ جامعہ، دہلی ۱۹۶۴ء۔

۱۴- تاثیر: ''اقبال میں تضاد نہیں''، پندرہ روزہ آج کل، دہلی، یکم یا ۱۵/اپریل ۱۹۴۶ء، ص ۱۹۔

۱۵- ایضاً، ص ۲۰۔

۱۶- ایضاً، ص ۲۰۔

۱۷- ایضاً، ص ۲۰۔

۱۸- ایضاً، ص ۲۱۔

۱۹- ایضاً، ص ۲۱۔

۲۰- تاثیر: ''اقبال کا نظریہ فن و ادب''، اقبال کا فکر و فن مرتبہ افضل حق قرشی، یونیورسل بکس، لاہور ۱۹۸۸ء،

ص۷۱،۷۲۔

۲۱- تاثیر: ''اقبال کا نظریہ شاعری''، اقبال کا فکر و فن، ص۸۰۔

۲۲- ایضاً۔

۲۳- تاثیر: ''تنگنائے غزل''، مقالات تاثیر مرتبہ ممتاز اختر مرزا، مجلس ترقی ادب، لاہور، ص۲۷۵۔

۲۴- ایضاً، ص۲۷۵۔

۲۵- ایضاً، ص۲۷۶۔

۲۶- تاثیر: ''اقبال اور غزل''، اقبال کا فکر و فن، ص۱۶۵۔

۲۷- ایضاً، ص۱۶۵، ۱۶۶۔

۲۸- تاثیر: ''اقبال ایک آفاقی شاعر''، اقبال کا فکر و فن، ص۱۵۳۔

۲۹- ایضاً، ص۱۵۳۔

۳۰- تاثیر: ''تنگنائے غزل''، ص۲۷۵۔

۳۱- تاثیر: ''اردو غزل''، بیسویں صدی میں اردو غزل مرتبہ فرمان فتح پوری، اردو اکیڈیمی سندھ، کراچی، ۱۹۸۷ء، ص۲۹۰۔

۳۲- تاثیر: ''سرودِ رفتہ''، اقبال کا فکر و فن، ص۱۳۲۔

۳۳- گوپی چند نارنگ: ''اقبال کی شاعری کا صوتیاتی نظام''، نقوش، لاہور، اقبال نمبر۲، شمارہ ۱۲۳، دسمبر ۱۹۷۷ء، ص۱۷۴۔

۳۴- تاثیر: ''اقبال کا کلام''، ادبی دنیا، لاہور، اقبال نمبر، شمارہ ۲۴، ص۱۰۱۔

۳۵- تاثیر: ''فلسفہ اقبال''، ماہنامہ نیرنگ خیال، لاہور، ستمبر ۱۹۲۴ء، ص۱۴۔

۳۶- ایضاً، ص۱۶، ۱۷۔